حرف و سخن
HARF-O-SUKHAN
Urdu Research Journal of PAKISTAN
ISSN Online : 2709-4030
ISSN Print : 2709-4022
Vol.8 No.1 2024

ڈپٹی نذیر احمد کی ناول نگاری میں مشرقی و مغربی کشمکش

EAST AND WEST CONFLICT IN DEPUTY NAZIR AHMED'S NOVEL WRITING

***ڈاکٹر جاوید اقبال**

اردو ریسرچ اسکالر

****ڈاکٹر وقار سلیم رانا**

ڈیپارٹمنٹ آف سکول ایجوکیشن، سمن آباد، فیصل آباد

*****ڈاکٹر محمد امجد عابد**

ایسوسی ایٹ پروفیسر، شعبہ اُردو، یونیورسٹی آف ایجوکیشن، لاہور

Abstract:
Indian Muslims faced a great cultural crisis with the domination of British rulers and the fall of Mughal Emprise. Deputy Nazir Ahmad reflected this dilemma with great skill in all his novels. Every conqueror nation leaves deep cultural effects upon conquered nation. Similarly, British culture and traditions influenced Indian Muslims in every filed of life. Modern British culture started dominating Muslims tradition rapidly. Muslims leaders became worried to see the downfall of their traditions and started looking for the salvation of their real identity. Deputy Nazir Ahmad is an important personality among these Muslims leaders, who threw light upon this issue in his novels and tried to present the solution to overcome this conflict. Mirat-ul-Uroos, Binat-ul-Nash, Toba-tun-Nasuh and Ibn-ul-Waqat are well known novels in which he also laid great stress on the education of young Muslims generation particulars the girls because he considered females responsible for the development of true cultural society. He took his characters from the average families of that age and described the prevailing Muslims cultural conflict through daily life incidents. He showed how dominating British traditions affected Muslims in their social, cultural, religions and economic conditions of life. Deputy Nazir Ahmad is not the sole practitioner of Muslims values, rather he supports the positive aspects of Modern traditions too. He considers English education essential along with Islamic traditions, in order to progress in the modern age. In short, Deputy Nazir Ahmad seeks solution of this cultural conflict in a adopting both the cultures in balanced manner.

Keywords: Cultural Conflict, Indian Muslims, British Culture, Modern Age, Solution.

کلیدی الفاظ: تہذیبی کشمکش، برصغیر کے مسلمان، انگریزی ثقافت، جدید دور، انتشار کامل

اورنگ زیب عالمگیر کے بعد ہندوستان کو اپنی تہذیب اور روایات کو برقرار رکھنے والا حکمران میسر نہ آسکا۔ مغلیہ سلطنت کے علمبردار اس قدر عیش و عشرت میں مبتلا ہوگئے کہ انھیں اپنی اسلامی روایت اور مشرقی تہذیب کا کوئی پاس نہ رہا۔ اس کے علاوہ تخت و تاج کے حصول کے لیے ارکان سلطنت کی آپسی رسہ کشی اور شہزادوں کی آپسی دشمنی نے مغلیہ سلطنت اور اس کی تہذیبی اقدار کو تزلزل میں ڈال دیا۔ ناگفتہ بہ حالات کو دیکھتے ہوئے طاقتور امراء نے مغلیہ سلطنت کے خلاف اعلانِ بغاوت کر کے اس کی عظیم روایات کو بری طرح کچل دیا۔ ملک کی اندرونی تنزلی صورتِ حال سے فائدہ اُٹھاتے ہوئے کئی غیر ملکی طاقتیں جو پہلے ہی سے اپنی نگاہیں اس ملک پر لگائے ہوئے تھیں۔ یہاں کا اقتدار

ISSN Online : 2709-4030
ISSN Print : 2709-4022
Vol.8 No.1 2024

حاصل کرنے کے لیے سرگرم ہوگئیں۔ان میں سے ایسٹ انڈیا کمپنی اپنے اس مقصد کے حصول میں کامیاب ہوگئی۔جہاں سے ہندوستانی تاریخ کا ایک نیا باب شروع ہوتا ہے۔ ۱۸۵۷ء کی جنگ کی ناکامی کے بعد اسلامی تہذیب و ثقافت کا حامل یہ عظیم ملک بلاواسطہ انگریزوں کے زیر تسلط ہوگیا اور یہاں برطانوی قانون نافذ ہوگیا۔یوں حالات تیزی کے ساتھ بدلنا شروع ہوگئے۔تمام شعبہ زندگی میں زبردست انقلاب دیکھنے کو ملا۔اس طرح ادب کی تمام اصناف پر بھی ان تبدیلیوں کے اثرات نمایاں طور پر سامنے آئے۔

تاریخ گواہ ہے کہ فاتحین جب کوئی علاقہ فتح کرتے ہیں تو وہاں کے لوگوں پر اپنی زبان، تہذیب اور طرزِ معاشرت کی چھاپ چھوڑ دیتے ہیں۔گویا فاتح اقوام کسی علاقے کو صرف جغرافیائی لحاظ سے فتح نہیں کرتیں بلکہ وہاں کے باشندوں کو اپنی تہذیب و ثقافت کے ساتھ فتح کرتے ہیں۔اسی طرح انگریزوں نے ہندوستان پر قبضہ کرتے ہی اپنی زبان و ادب اور تہذیب و ثقافت کے نئے رنگ بکھیرنے شروع کردیے۔اور یوں آٹھ سو سالہ قدیم تہذیب میں انگریزی تہذیب کا اثر واضح نظر آنے لگا۔جس سے مقامی لوگوں کی سیاسی، سماجی اور تعلیمی حالت پر بھی انگریزی تہذیب کا برا اثر پڑا۔اس صورتِ حال کے پیشِ نظر سماج کے سربراہان اور دور اندیش لوگ اس کے تدارک کا حل سوچنے لگے مگر جدید تہذیب اور اس کے علوم کو اپنائے بغیر اس کا کوئی حل نظر نہ آیا۔اہلِ فکر کی اس تدبیر کی مذہبی رہنماؤں نے بہت زیادہ مخالفت کی جس سے ہندوستان کے لوگ دو گروہوں میں تقسیم ہوگئے۔دور اندیش رہنما جدید انگریزی تعلیم کے حق میں تھے جبکہ مذہبی رہنما تمام مسائل کا حل مذہب میں تلاش کرتے تھے اور مشرقی تہذیب و روایات سے دستبردار نہیں ہونا چاہتے تھے۔

ڈپٹی نذیر احمد نے جب اس مشرقی و مغربی تصادم میں اپنی آنکھیں کھولیں تو اس تصادم سے منسلکہ معاشرتی مسائل، معاملات اور رسم و رواج کو اپنے ناولوں کا موضوع بنایا۔برصغیر کے باشندے جس تہذیبی کشمکش میں مبتلا تھے۔ڈپٹی نذیر احمد نے ان کے اس المیے کو نہ صرف محسوس کیا بلکہ اپنے ناولوں میں بھی تحریر کیا۔

نذیر احمد کا پہلا ناول مراۃ العروس پہلی بار ۱۸۶۹ء کو چھپ کر سامنے آیا۔یہ ناول انھوں نے بڑی بیٹی سکینہ کو مدنظر رکھ کر لکھا۔انھوں نے باقاعدہ ناول لکھنے کے ارادے سے اس کا آغاز نہیں کیا تھا۔کبھی کبھار تھوڑا تھوڑا لکھتے۔آخر وہ ایک اچھا ناول بن کر سامنے آیا۔مولوی صاحب کے دو مشہور کردار اکبری اور اصغری اسی ناول کے جاندار کردار ہیں۔انھوں نے اس ناول میں خاص طور پر معاشرتی رویے، تہذیب اور فرسودہ رسم و رواج کے حوالے سے لکھا۔جس میں ہندوستانی رسم و رواج اور مسلم تہذیب کو زیر بحث لائے۔اٹھارہویں صدی میں جب ہندوستانی تہذیب زوال کا شکار ہونے لگی اور اس پر مختلف تہذیبیں اثرانداز ہو رہی تھیں تو مولوی صاحب نے اسے بڑی گہرائی سے محسوس کیا اور معاشرے میں تہذیبی تصادم کے خطرات کے پیش نظر مسلم تہذیب کو سدھارنے کا بیڑا اُٹھایا۔نذیر احمد کے ان نظریات کے بارے میں ڈاکٹر آنسہ احمد سعید اپنے خیالات کا اظہار ان الفاظ میں کرتی ہیں:

> ''نذیر احمد نے اپنی محدود بساط میں ناول میں سماجی حقیقتوں کو پیش کرنے کی سعی کی۔ان کے ناولوں کے ذریعے، پہلی بار انیسویں صدی کی سوسائٹی اپنے خدوخال کے ساتھ ظاہر ہوتی ہے اور انھوں نے کئی سماجی مسئلوں پر روشنی ڈالی ہے۔انھوں نے مراۃ العروس، بنات النعش، توبۃ النصوح، فسانہ مبتلا، ابن الوقت، ایامیٰ اور رویائے صادقہ وغیرہ ناول لکھے جن میں انیسویں صدی کی سماجی زندگی اور نچلے طبقے کے مسلمان گھرانوں کی حقیقی عکاسی کی ہے۔''(۱)

ڈپٹی نذیر احمد اپنے ناول مراۃ العروس میں درحقیقت ہندوستانی معاشرے کی تہذیب بیان کرتے ہیں۔ان کے پیش نظر اس تہذیب پر مغربی تہذیب نے اپنا اتنا اثر چھوڑا ہے کہ یہ مشرقی معاشرہ دو تہذیبوں کے تصادم میں پھنس چکا ہے اور وہ اپنے قاری کو اس تصادم سے نکال کر مشرقی اور مسلم تہذیب کی طرف لے کر آنا چاہتے ہیں۔اس بارے میں ڈاکٹر آنسہ تحریر کرتی ہیں:

> ''ڈپٹی نذیر احمد کے ہاں زندگی کا ایک واضح مقصد ہے جو ان کے تمام ناولوں میں کارفرما نظر آتا ہے۔ڈپٹی نذیر احمد مشرقی مزاج، مشرقی ذہن اور مشرقی اخلاقیات کے قائل تھے اور اپنے عہد کے اصلاحی رجحانات کا انھیں شہر اشعور تھا۔یہی اصلاحی مقاصد ان کے ناولوں میں غالب رہے۔''(۲)

یہی وجہ ہے کہ وہ اکبری اور اصغری کے دو کرداروں کے ذریعے ان تہذیبوں کو بیان کرنے کی کوشش کرتے ہیں۔اکبری کا کردار برا اور مشرقی روایات کے منافی ہے جبکہ اصغری کا کردار اچھا اور مسلم و مشرقی تہذیب جو کہ اخلاقیات سے بھرپور ہے اس کا عکاس ہے۔سب سے پہلے اصغری کے ہاں تہذیبی کشمکش دیکھیے:

ISSN Online : 2709-4030
ISSN Print : 2709-4022
Vol.8 No.1 2024

''چار گھڑی رات گئے جب کھانے پینے سے فارغ ہوئے۔اصغری نے برتن بھانڈا گری پڑی چیز سب ٹھکانے سے رکھیں باہر کے دروازے کو زنجیر بند کی کوٹھریوں کو قفل لگا کر کنجیاں ماں کے حوالے کیں۔ باہر کے دالان اور باورچی خانے کا چراغ گل کیا۔ماں اور اپنا اور بہنوئی سب کو پان دیے اور اطمینان سے جا کر سو رہی۔''(۳)

اصغری کے کردار میں مسلم تہذیب کا عکس ہے کہ ایک مسلم اور مشرقی عورت اپنے خاندان کے ساتھ رہتی ہے وہ اپنی ساس اور دوسرے گھر والوں کے ساتھ رہ کر ان کی خدمت کرتی ہے۔ حتیٰ کہ سونے سے پہلے ان کو کھانا کھلا کر چیزیں سمیٹتی اور پھر پان کھانے کو دیتی ہے۔ یہاں ''پان''مشرقی تہذیب کا ایک بنیادی عنصر ہے جو مولوی نذیر احمد دہلوی خدمت کے اس عنصر میں بیان کرتے ہیں۔اس کے برعکس اکبری کے حالات میں یہ تمام باتیں نظر نہیں آتیں۔وہ اس تہذیب کے منافی دکھائی دیتی ہے۔

''اکبری کی ماں نے داماد سے کیا کیوں بھائی تم کو الگ رہنے میں کیا عذر ہے خدا کا فضل ہے۔خود نوکر ہو خود کماتے ہو کسی بات میں ماں کے محتاج نہیں اپنا کھانا اپنا پہننا پھر دوست کا دست نگر ہو کر رہنے سے کیا فائدہ۔بیٹا ہوں کیسے ہی پیارے ہوں پھر بھی جو آرام الگ رہنے میں ہے ماں باپ کے گھر میں کہاں؟''(۴)

نذیر احمد نے یہاں مشرقی اور مغربی تہذیب کے حامل دو کردار متعارف کروائے ہیں اس میں مغربی تہذیب کا نمائندہ کردار اکبری کا ہے۔جو خودی پسندی اور خود غرضی کا نمونہ ہے۔اس کو خانگی نظام زندگی سے الجھن ہے۔وہ صبح کو دیر تک سوتی ہے۔امور خانہ داری میں دلچسپی نہ لیتی ہے۔جبکہ اس کا خاوند عاقل کہتا ہے کہ خاندان سے الگ ہونے کا مطلب ہے کہ ہر کام کس فکر اپنے سر لیتا۔کیونکہ مغربی تہذیب کے بانی اپنے تمام کام خود کرتے ہیں۔اس کے لیے ان کو مشین کی مانند سارا سارا دن خود کام کرنا پڑتا ہے۔خاندان کا کوئی فرد ان کے دکھ سکھ میں شامل نہیں ہوتا۔حتیٰ کہ ان کے ماں باپ بھی اپنے بچوں سے الگ تھلگ اولڈ ہومز میں رہتے ہیں۔مغربی تہذیب و ثقافت میں مل جل کر رہنے کو ناپسند کیا گیا ہے جبکہ مسلم تہذیب کا یہ رنگ ہمیں ناول مراۃ العروس میں نظر آتا ہے۔جہاں ماں باپ کے ساتھ مل جل کر رہنے کو ترجیح دی گئی ہے۔نذیر احمد نے اسی تہذیبی کشمکش کو ایک معلم کی حیثیت سے اپنی قوم کے لیے بیان کیا ہے۔کیونکہ یہی وہ دور تھا جب انگریزی تہذیب کا جادو سر چڑھ رہا تھا اور مسلم تہذیب دم توڑ رہی تھی۔لہٰذا ان کی اصلاح کا بیڑا مولوی صاحب نے اپنے ناول کے ذریعے اٹھایا۔ان کے بارے میں ڈاکٹر مسیح الزماں تحریر کرتے ہیں:

''غدر کے بعد معاشرت اور ادب میں اصلاح ہندوؤں کا دور دورہ ہوا ان میں نذیر احمد بھی تھے۔انہوں نے سحر اور جادو کے سے بھرے ہوئے ایسے قصوں کو جن میں محبت کا ایک عجیب سا تصور تھا۔مخرب اخلاق سمجھ کر ایسے اصلاحی افسانے لکھنے کی کوشش کی جو زندگی سے قریب بھی ہو اور زندگی کو سنوارنے میں مدد بھی دیں۔''(۵)

ہندوستان میں لوگوں کی فکر اور ان کے کرداروں میں جو خلفشار کی صورت نظر آتی ہے۔نذیر احمد نے اس فکر کو درست سمت میں گامزن کرنے کی سعی کی ہے۔غدر کے بعد جب انگریز ہندوستان پر قابض ہو گئے تو انہوں نے مسلمانوں کے معاشی حالات کے علاوہ تہذیب و ثقافت پر بھی قدغن لگائی تھی۔اس دور میں مسلم تہذیب زوال پذیر ہونا شروع ہو گئی۔اس صورتِ حال کو مد نظر رکھتے ہوئے مسلمانوں کو فرسودہ اور جدید رسم و رواج سے آزاد کروانے کے لیے نذیر احمد میدان میں آگئے تھے۔

علم تہذیب میں روایات و اقدار اسلامی طرزِ حیات کی مظہر ہیں۔خانگی نظام کو چلانے کے لیے اسلامی کلچر کے اوپر کاربند رہنے سے ہی مسلم معاشرہ ایک مثالی معاشرہ بن سکتا ہے جس کا پرچار مولوی نذیر احمد مراۃ العروس میں بار بار کرتے ہوئے نظر آتے ہیں۔وہ مسلم تہذیب و ثقافت یوں بیان کرتے ہیں:

''محمد عاقل نماز پڑھ کر واپس آیا تو دیکھا ساس نماز سے فارغ ہو کر پان کھا رہی ہیں۔سلام کر کے بیٹھ گیا۔اصغری نے سینی لا کر سامنے رکھی دی چائے دان میں گرما گرم چائے دو پیالیاں، دو چمچے اور ایک طشتری میں قند، محمد عاقل نے چائے پی، خوش ذائقہ، رنگ بو، باس درست، جی کر جی باغ باغ ہو گیا۔اکبری حسب عادت پڑی ہوئی تھی۔محمد عاقل نے کہا''اماں جان ان کو بھی نماز کی تاکید کیجیے۔''(۶)

جب ہم اسلامی تعلیمات پر غور کرتے ہیں تو ہمیں اسلام ایک مکمل ضابطہ حیات نظر آتا ہے۔وہ زندگی گزارنے کے چھوٹے سے چھوٹے عمل میں بھی رہنمائی فراہم کرتا ہے۔جب کوئی انسان اسلامی اساس پر عمل پیرا ہو کر زندگی گزارتا ہے تو وہ ہر طرح کی پریشانیوں سے آزاد ہو جاتا ہے۔ہندوستانی معاشرے میں درپیش مسائل کو اکبری اور اصغری

ISSN Online : 2709-4030
ISSN Print : 2709-4022
Vol.8 No.1 2024

کے کرداروں میں بیان کرنے کی کوشش کی ہے۔ اصغری اسلامی تہذیب و ثقافت پر کاربند ہو کر زندگی گزارتی ہے۔ اس نے اپنی علمی اساس کو برقرار رکھتے ہوئے گھر کو جنت بنادیا ہے۔ جہاں ہر کوئی آکر سکھ کا سانس لیتا ہے۔ معاشرے کے مسائل اصغری کی موجودگی میں بہت بے معنی معلوم ہوتے ہیں۔ کیونکہ وہ تمام مسائل کو اسلامی روایات کے مطابق حل کرتی ہے۔ جبکہ اکبری مغربی تہذیب کو اپناتے ہوئے ہر وقت کام چوری کرتی ہے۔ اس کو نہ مذہبی روایات کا پاس ہے اور نہ ہی معاشرتی مسائل کے تدارک کی فہم ہے۔ وہ ہر وقت سوتی رہتی ہے۔ گھر کے کاموں سے انجام گویا اس نے اپنے گھر کو جنم بنادیا ہے۔

کسی بھی معاشرے میں گھر بنیادی اکائی ہوتا ہے۔ جیسے تہذیب و تمدن پروان چڑھتی ہے۔ لہٰذا گھر کا وجود بھی عورت کے وجود سے برقرار رہتا ہے۔ اس طرح گھر کے ماحول کے لیے عورت کی سلیقہ شعاری، امور خانہ داری میں مہارت اور معاملہ فہمی بہت اہمیت کی حامل ہوتی ہے۔ مشرقی تہذیب میں مرد کو عورت پر سبقت حاصل ہے۔ جیسا کہ خود زینت بشیر نے بھی اس جانب توجہ مرکوز کروائی ہے۔

> ''نذیر احمد نے یہ بات واضح کردی کہ گھر بننے اور بگڑنے کا دارومدار عورت پر ہے اور عورت کے تعلیم یافتہ ہونے اور نہ ہونے پر ضمنی ہے۔ وہ چاہتے تھے کہ عورت کی پہلے اصلاح کی جائے تاکہ وہ گھر کی اصلاح کر چکے۔ اس لیے عورت کی اصلاح ہر معاشرے کی اصلاح کرتی ہے۔''(۷)

مراۃ العروس کے بعد نذیر احمد کا دوسرا ناول بنات النعش ۱۸۷۳ء میں منظر عام پر آیا۔ اس ناول کو مراۃ العروس کا ضمیمہ کہا جاتا ہے۔ نذیر احمد عورتوں کی تعلیم و تربیت کے حق میں تھے۔ اس کے ساتھ ساتھ وہ لوگوں کو مغربی تہذیب و ثقافت کے نقصانات سے آگاہ بھی کرتے تھے۔ انہوں نے اپنے مخصوص انداز میں جدید سائنسی مضامین زمین کی کشش، علم جر ثقیل، ہوا کا دباؤ، مزدسین اور زمین گول ہے۔ ہوا کی رفتار آب و ہوا، روشنی، جغرافیہ، علم التاریخ، زمین کی سورج کے گرد گردش کے علاوہ اجرامِ فلکی وغیرہ کا ذکر کیا ہے۔ ان جدید علوم اور مغربی تہذیب و ثقافت کو قصے کے انداز میں تحریر کیا ہے۔

وہ عورتوں کی تعلیم کے حق میں تھے، مگر مغربی اور فرسودہ رسم و رواج کی خرابیوں کو معاشرے میں تباہی پھیلانے والی چیز سمجھتے تھے۔ اس لیے وہ انگریزوں کی کچھ خوبیوں سے متاثر ہونے کے باوجود وہ مغربی تہذیب سے مرعوب نہ ہو سکے کیونکہ وہ جدید مغربی تعلیم اور ان کی ایجادات کے قائل تھے۔

نذیر احمد کا تیسرا ناول ''توبۃ النصوح'' ہے یہ پہلی بار ۱۸۷۷ء میں شائع ہوا۔ اس ناول کا موضوع تربیت اولاد ہے یہ ایک عرصہ تک شامل نصاب رہا ہے۔ توبۃ النصوح میں نذیر احمد اولاد کی پرورش اور گھریلو ماحول کی ذمہ داری گھر کے سرپرست پر ڈالتے ہیں۔ اس ناول میں نذیر احمد کہتے ہیں جب تک والدین خود بہترین تہذیب و اخلاق کا نمونہ نہ ہوں اس وقت تک اولاد کی درست تربیت نہیں ہو سکتی۔ یہ ناول دہلی تہذیب و ثقافت کا آئینہ ہے اور اس کے کردار اس وقت کی تہذیب و ثقافت کی بھرپور عکاسی کرتے ہیں۔ اس کے بارے میں اشفاق احمد اعظمی تحریر کرتے ہیں:

> ''اُردو کے اکثر نقادوں کے خیال میں توبۃ النصوح کا موضوع تربیت اولاد ہے۔ ناول دیباچہ میں بھی نذیر احمد نے یہی موضوع قرار دیا ہے۔ لڑکیوں کی تعلیم کے ساتھ ان کی تربیت پر بھی کافی زور 'بنات النعش' ہی میں صرف کیا جا چکا تھا۔''(۸)

نذیر احمد نے اس ناول میں اپنے کردار نصوح کے ذریعے دہلی کے ایک خاندان کی اصلاح کرنے کی کوشش کی ہے۔ اس ناول میں مذہبی، سماجی اور اخلاقی تمام پہلوؤں پر روشنی ڈالی گئی ہے۔ نذیر احمد نے اس ناول میں دہلی کی طرزِ معاشرت، رہن سہن، عقائد، مشاغل اور رسم و رواج کو بڑے مؤثر انداز میں بیان کیا ہے جس سے اس وقت کی تہذیبی و معاشرتی زندگی کو جاننے کا موقع ملتا ہے۔ خاص طور پر اس ناول میں مسلم معاشرے کے متوسط طبقے کو پیش کیا گیا ہے۔ وہ مسلم نوجوانوں کے طرزِ معاشرت کو یوں بیان کرتے ہیں:

> ''راہ چلتے ہیں تو گردن نیچی کیے ہوئے۔ اپنے سے بڑا مل جائے۔ جان پہچان ہو یا نہ ہو۔ ان کو سلام کر لینا ضرور، کئی برس سے اس محلے میں رہتے ہیں مگر کانوں کان خبر نہیں۔ محلے میں کوڑیوں لڑکے بھرے پڑے ہیں لیکن ان کو کسی سے کچھ واسطہ نہیں۔ آپس میں اوپر تلے کے چار بھائی ہیں۔ نہ کبھی لڑتے، نہ کبھی جھگڑتے، نہ گالی بکتے، نہ قسم کھاتے، نہ جھوٹ بولتے، نہ کسی کو چھیڑتے، نہ کسی پر آواز کستے۔''(۹)

ISSN Online : 2709-4030
ISSN Print : 2709-4022
Vol.8 No.1 2024

نذیر احمد کے اس ناول میں مخصوص سماج کی تہذیب و معاشرت کی عکاسی کی گئی ہے۔ علم سماج مذہب کی حدود و قیود میں تشکیل پاتا ہے۔ اس مخصوص طرزِ معاشرت یعنی رہن سہن کو بیان کرنے کے لیے عقیدہ رسوم مذہبی نقطہ نظر سے معاشرے کو پرکھنے کی سعی کی گئی ہے۔ کیونکہ مسلم تہذیب میں جب کوئی چھوٹا سلام کرتا ہے تو سامنے جو بڑا ہوتا ہے۔ وہ اس کو دعا دیتا ہے۔ اس سے معاشرے میں پیار و احترام کی فضا استوار ہوتی ہے۔ اس پہلو کو وہ اس انداز میں تحریر کرتے ہیں:

''کوئی شخص دین اور دنیا دونوں میں اس وجہ سے عزت نہیں پاسکتا کہ اس کے باپ دادا عزت دار تھے۔ آدمی کی عزت اس کی عادت اور مزاج سے ہے۔''(۱۰)

ناول میں حضرت بی کے کردار کے ذریعے مشرقی و تہذیب و تمدن کے نمایاں اور مثبت پہلوؤں کو سامنے لایا گیا ہے۔ انھوں نے مشرق میں مسلم معاشرے کی اعلیٰ اخلاقی اقدار کو بیان کیا ہے۔ اس سلسلے میں انھوں نے قاری کو آگاہ کیا ہے کہ مشرقی معاشرے میں جب اپنے سے بڑی عمر کا کوئی فرد ملے تو اسے سلام کیا جاتا ہے۔ حیا کا پہلو بھی مشرق کے تناظر میں خاصا اہمیت کا حامل ہے۔ حیا کو ان کا زیور بھی کہا جاتا ہے۔ مشرقی معاشرے میں جب کوئی بازار جاتا ہے تو وہ ادر گرد دیکھنے کی بجائے اپنی نگاہیں نیچی کر کے چلتا ہے جو کہ ادب اور شرم و حیا کی علامت ہے اور مشرقی تہذیب کا بنیادی وصف ہے۔

نذیر احمد کے ناول کے بارے میں ڈاکٹر قمر رئیس اپنی کتاب کے اقتباس میں بتاتے ہیں:

''اپنے قصوں کا مواد انھوں نے اپنے عہد کی عام زندگی سے لیا ہے۔ وہی روزمرہ کے واقعات ہیں جو متوسط طبقے کی گھریلو زندگی میں عموماً پیش آتے ہیں۔''(۱۱)

نذیر احمد کے ناولوں میں کردار زندگی سے بھرپور ہوتے ہیں۔ ان میں ایک واضح نقطہ نظر کی موجودگی، مقصد اور فن کا باہمی توازن اور موضوع میں مکمل مطابقت ان کی شخصیت کا عکس ہیں۔ جو ان کی فکری قوتوں کا عملی نمونہ ہیں۔ جس سے انھوں نے مسلم تہذیب کو اجاگر کرنے کی کوشش کی۔

''چونکہ نماز کی خوبی بچپن سے ذہن میں بیٹھ چکی تھی اب بھی اتنا تھا کہ جس دن سر دھویا، دو چار وقت کی نماز ضرور پڑھ لیا کرتی تھی یا کوئی بال بچہ بیمار ہوا تو نماز پڑھنے لگی۔ جب خدا نے اس تردد کو رفع کر دیا پھر چھوڑ دی۔ اب البتہ میں نے مصمم عہد کر لیا ہے کہ برابر نماز پڑھوں گی۔ خدا میرے قول کو پورا کرے۔''(۱۲)

توبۃ النصوح میں نذیر احمد نے ہندوستان کے عام کردار لیے ہیں جو دنیاداروں والی زندگی گزارتے ہیں۔ کبھی نماز پڑھ لی تو پڑھ لی ورنہ چھوڑ دی۔ روزے گنڈے دار رکھے اور سیر و تفریح بھی خوب کی۔ یعنی اس دور کے معاشرے میں جو طرزِ زندگی تھا اس کو من و عن بیان کیا گیا ہے۔ اس ناول کا کردار نصوح زندگی اور موت کی کشمکش میں مبتلا ہونے کے بعد نہ صرف خود متقی انسان بن جاتا ہے بلکہ اپنی اولاد کو بھی اسی سانچے میں ڈھال لیتا ہے جو کہ مسلم تہذیب کا بنیادی وصف ہے۔

ڈاکٹر ممتاز احمد مولوی نذیر کے خیالات پر رقم طراز ہیں:

''آخرت کو انسانی زندگی کا بنیادی پتھر تصور کرتے تھے۔ لہٰذا ان کے سروکار مذہبی، اخلاقی اور اصلاحی ہوتے جن کے دائرے میں صرف اور صرف مسلمان مرد اور عورتیں آئے ہیں۔''(۱۳)

نذیر احمد اپنے ناول میں معاشی تضاد کے اسباب اور کرداروں کی روحانی کیفیت اور ان کے درمیان اعتقاد کی ضرورت و اہمیت کو بیان کرتے ہوئے ایک تہذیبی حصار تعمیر کرنا چاہتے ہیں جس سے مذہبی احیا اور تہذیب و ثقافت کی تعمیر ممکن ہو سکے۔ اسی وجہ سے انھوں نے اپنے ناول کو شریعت کے تابع رکھا ہے۔ وہ دور اندیش انسان تھے۔ اپنی قوم کی بدحالی اور ان کے اسباب کو بڑی باریک بینی سے سمجھتے تھے۔ ان کی سوچ تھی کہ ہم اس وقت تک مغربی اقوام کی برابری نہیں کر سکتے جب کہ ہم محنتی، نظم و ضبط اور باہمی اتفاق کو اپنا نہیں لیتے۔

نذیر احمد اس بات کو واضح کرتے ہیں کہ مغربی تہذیب میں اصلاح کے حوالے سے پادری ان کا رہبر ہوتا ہے:

''علیم کسی پادری سے ایک مذہبی کتاب لے آیا تھا اس میں اتفاق سے ایک جملہ مجھ کو نظر پڑا اور پسند آیا۔ وہ یہ تھا کہ توبہ ربڑ ہے اور گناہ پنسل کی تحریر۔''(۱۴)

ISSN Online : 2709-4030
ISSN Print : 2709-4022
Vol.8 No.1 2024

مغربی تہذیب میں عیسائیوں کی رہنما کتاب انجیل ہے۔وہ مذہبی معاملات میں اس سے رہنمائی لیتے ہیں۔جبکہ مشرقی تہذیب میں مسلمانوں کی رہنما کتاب قرآن پاک ہے۔مذہب اسلام میں قرآن ہی ہدایت کا سرچشمہ ہے تمام مسلمان اس سے ہدایت حاصل کرتے ہیں۔اس لیے نذیر احمد قرآن کی روشنی میں مشرقی تہذیب کے علمبردار کے طور پر اپنے عقائد کو فطری و عقلی تناظر میں قاری کے سامنے رکھتے ہیں۔

اس کی عملی صورت ہمیں ناول کے کردار علیم اور کلیم کے درمیان باہم تضاد کی شکل میں نظر آتی ہے جو خیر اور شر کی عکاسی کرتے ہیں۔اس پر ڈاکٹر آنسہ احمد سعید اپنی رائے کا اظہار ان الفاظ میں کرتی ہیں:

> ''ان کے ناولوں میں اپنے عہد کی عصریت معاشرت تہذیب وضع داری اخلاق اور سماجی برائیوں نشست و برخاست کے طریقے مسلم گھرانوں کی بامحاورہ زبان اور زندگی کے رویوں کی بھرپور عکاسی ملتی ہے۔'' (۱۵)

''ابن الوقت'' ناول میں اسم با مسمیٰ کرداروں سے مشرقی اور مغربی تہذیبی تصادم کو زیرِ موضوع لایا گیا ہے۔ابن الوقت حجۃ الاسلام، شارب اور مسٹر نوبل وغیرہ اس کے اہم کردار ہیں۔

نذیر احمد کا ناول ''ابن الوقت'' ۱۸۸۸ء میں منظر عام پر آیا۔انھوں نے اپنے اس ناول میں ابن الوقت نامی کردار اور دیگر کرداروں سے سر سید احمد اور ان سے منسلک لوگوں کی روداد بیان کی ہے جو جدید تہذیب کے سانچے میں ڈھلنے کے لیے مشرقی تہذیب و ثقافت کو ترک کر دیتے ہیں جس کے نتیجے میں معاشرہ مشرقی و مغربی تہذیبی تصادم کا شکار ہو جاتا ہے۔ہم کہہ سکتے ہیں کہ اٹھارہویں صدی میں مغلیہ سلطنت انتشار کا شکار ہوئی جس میں ہندوستان کے نوابوں اور مہاراجوں نے اپنی اپنی سلطنتیں قائم کر لیں۔اس صورتِ حال سے فائدہ اُٹھاتے ہوئے انگریزوں نے ہندوستان پر قبضہ کر لیا۔اس تناظر میں دیکھا جائے تو ان نوابوں اور مہاراجوں کی حیثیت کٹھ پتلیوں سے زیادہ نہ تھی۔جس سے ہندی تہذیب و تمدن اور مسلم تہذیب کے اختلاط سے مشرقی تہذیب کا جو وجودِ عمل میں آیا اس پر انگریزی تہذیب و تمدن کے اثرات سے ایک نئی تہذیب ہندوستان میں متعارف ہوئی۔جس کو نذیر احمد نے ناول ''ابن الوقت'' کے نام سے قارئین کے روبرو بیان کیا جو بنیادی طور پر ہندوستانی ہوتا ہے مگر وہ مغربی تہذیب اور انگریزی سے مرغوب ہو کر اپنا رہن سہن، لباس اور وضع قطع کے علاوہ وہ انگریزی علوم کے علاوہ وہ غذا بھی مغربی انداز کی کھانے لگتا ہے حالانکہ اس کا دل چٹ پٹے ہندوستانی کھانوں کے لیے ترستا ہے لیکن ہندوستانی غذا کھانا اس کی انگریزی شان کے خلاف ہے۔وہ مقامی کھانے تناول کرنے سے کتراتا ہے۔اگرچہ اس کا دل مسلسل دیسی کھانا کھانے کے لیے بے قرار رہتا ہے۔اس پر زینت بشیر اپنے خیالات کا اظہار ان الفاظ میں کرتیں ہیں:

> ''اس طبقے نے مغربی تہذیب کے اچھے پہلوؤں کو اپنایا تھا وہاں اس نے جس چیز پر اپنا بے حد زور لگا رہا تھا وہ مغربی تہذیب کی ظاہری چمک دمک اور شان و شوکت تھی۔'' (۱۶)

جب ابن الوقت نے غدر کے دوران انسانی ہمدردی کی بنیاد پر مسٹر نوبل کی جان بچائی اور تین ماہ تک اسے علاج معالجے کی غرض سے اپنے گھر چھپا کر رکھا تو مسٹر نوبل کو قریب سے مغربی تہذیب کو دیکھنے کا موقع ملا۔چونکہ مسٹر نوبل طالب علمی کے زمانے سے ہی مغربی طرزِ عمل کو جاننے کی جستجو رکھتا تھا۔اس لیے جلد ہی وہ اپنے آپ کو مغربی تہذیب کے سانچے میں ڈھال لیتا ہے۔وہ مغربی تہذیب کی ظاہری چمک دمک سے اس قدر متاثر ہوتا ہے کہ اپنی وضع قطع تبدیل کرنے کے ساتھ ساتھ اپنی پسند و ناپسند اور کھانے پینے کے انداز کو بھی مغربی طرز پر اختیار کر لیتا ہے۔یوں برصغیر کی نئی نسل انگریزی تہذیب و تمدن کو اختیار کرنے میں فخر محسوس کرتی اور اس جستجو میں اپنی مشرقی تہذیب و ثقافت اور اس کی اعلیٰ اقدار کو فرسودہ تصور کرتی۔اس نئے مغربی طرزِ معاشرت کو اپنانے میں مقامی لوگوں نے جتنے جتن کیے اتنا ہی وہ مشرقی تہذیب سے دور ہوتے گئے۔اس صورتِ حال کو ڈاکٹر فاروق اپنے اقتباس میں بیان کرتے ہیں:

> ''ابن الوقت کا اپنی تہذیب اور معاشرت کو ترک کرنا اور ایک دوسری معاشرت کو اپنانا اس کے لیے کسی راحت کی بجائے پریشانی اور معاشرتی تنہائی کے عذاب کا موجب بن جاتا ہے۔'' (۱۷)

نذیر احمد اپنے ناول ''ابن الوقت'' میں اس موقف کی تائید کرتے ہیں کہ ہندوستان کے لوگوں کو اپنی تہذیب و تمدن اور مذہب کے اندر رہتے ہوئے جدید علوم حاصل کر کے ترقی کرنی چاہیے۔اس سلسلے میں وہ تحریر کرتے ہیں:

> ”یورپ کی تمام تر ترقی کا اصل اور حقیقی سبب علوم جدیدہ ہیں اور اس زمانے میں تعلیم وہی مفید ہو سکتی ہے جس سے یہاں کے لوگ ان علوم سے آگاہی بہم پہنچائیں اور ان کی طبیعتوں میں اس بات کا شوق پیدا ہو کہ واقعات کو سوچیں اور موجودات میں غور کریں۔“(۱۸)

ان الفاظ سے نذیر احمد کا یہ موقف واضح ہوتا ہے کہ وہ انگریزی اور جدید تعلیم کے انکاری نہیں ہیں بلکہ وہ اپنی قوم کو جدید علوم کی اندھی تقلید کی بجائے اپنی ضرورت اور حالات کے پیش نظر اپنانے کا مشورہ دیتے ہیں تا کہ اس سے ان کا مذہبی و روحانی نقصان نہ ہو۔ وہ اس بات کے قائل ہیں کہ اگر ہم بحیثیت مسلمان دوسروں کی تہذیب اپنائے بھی ہیں تو اس میں ہمارا افائدہ کیا ہو گا۔ انگریز برصغیر میں آکر ہی ہر بہانے یہاں کے لوگوں کو اپنے رسم و رواج کی طرح ڈالنے پر اکساتے اور اس طرز کے قوانین بناتے تھے۔ سرسید کے تحرک پر ڈپٹی نذیر احمد اس بات کے قائل تھے کہ ہم ان انگریزوں کے قوانین اور رسم و رواج کو اپنے ہاں فروغ کیوں دیں۔ وہ اپنی یہی ذہنیت ابن الوقت میں واضح طور پر پیش کرتے ہیں:

> ”جب تک ہندوستان کے لوگ انگریزوں کے ساتھ مانوس نہیں ہوں کہ سلطنت ایک منٹ کے لیے بھی قابلِ اطمینان نہیں، مگر اس میں دونوں کا قصور ہے۔ انگریز بغرور حکومت ہندوستانیوں کی طرف ملتفت نہیں ہوتے اور ہندوستانی بوجہ نادانی انگریزوں سے پرہیز اور گریز کرتے ہیں۔ کیونکہ ایسے دو آدمیوں میں اتحاد ہو سکتا ہے۔ جن کی نہ زبان ایک نہ مذہب ایک، نہ رسم و عادات ایک نہ مزاج ایک۔“(۱۹)

یہاں پر نوبل کے کردار میں انگریز اپنی تہذیب کو جو کہ خالصتاً مغربی بنیادوں پر استوار ہے۔ اس کو ہندوستان کے لوگوں جو کہ خالصتاً مشرقی تہذیب کے پیروکار ہیں۔ انگریز بازورِ طاقت اپنی تہذیب کو مسلط کرنا چاہتا ہے۔ اس کے لیے وہ رفارمز کے نام پر ابن الوقت جو کہ ناول کا ایک جاندار کردار ہے۔ اس کے ذریعے سے ہندوستانی لوگوں کو آمادہ کرنے کی کوشش کرتا ہے کیونکہ ابن الوقت انگریزی تہذیب کی رنگارنگی سے پہلے ہی خود کو راضی کیے ہوئے ہیں۔

جب کوئی بھی قوم یا حکومت اپنی طاقت کے بل بوطے پر دوسری قوم یا حکومت پر قبضہ کرتی ہے تو اسے ہم نوآبادیات کا نام دیتے ہیں۔ یہ نوآبادیات دو طرح سے قائم کی جاسکتی ہے ایک تو کسی بھی ملک یا قوم پر طاقت کا استعمال کیا جائے جبکہ دوسرا کسی بھی قوم کو تہذیبی مار ماری جائے۔ انگریزوں نے برصغیر پاک و ہند میں آکر طاقت کا استعمال نہیں کیا بلکہ انہوں ے یہاں کے لوگوں کی تہذیبی روایات کا بغور مطالعہ کیا کہ یہاں کے لوگ کیا سوچتے ہیں۔ کیا کرتے ہیں اور کیا کرنا چاہتے ہیں۔ یہاں کی اقوام کا مکمل مطالعہ کر لینے کے بعد وہ اس نتیجے پر پہنچے کہ ان لوگوں میں مذہب اور معاشرتی رسم و رواج کی بہتات ہے۔ لہٰذا ان کو ان کے مذہب اور معاشرتی رسم و رواج کی کوئی بھدی سی شکل دکھائی جائے جس سے یہ لوگ اپنے اصل رسم و رواج، تہذیبی اقدار اور روایات جن کو وہ بہت کامیاب سمجھتے تھے ان لوگوں کے سامنے پیش کریں گے۔ جب یہ لوگ ہماری تہذیب اپنا کر اندر سے کھوکھلے ہو جائیں گے تو ان پر بھرپور طاقت کا مظاہرہ کیا جائے گا۔ یہی وجہ تھی کہ برصغیر میں انگریزوں نے سال ہا سال تک طاقت کا استعمال نہیں کیا اور ابن الوقت جیسے کردار تخلیق کر کے یہاں کی اقوام کو ان کی تہذیب کے ذریعے انہی کی تہذیب میں مار ماری اور کامیاب ہوئے۔

> ”انگریزی حکومت کو ہندوستان کے حق میں خدا کی بڑی رحمت اور برکت سمجھتا ہوں پس میری تمام ہمت اس میں معروف ہو گی کہ رعایائے ہندوستان اس رحمت اور برکت سے پورا پورا فائدہ اُٹھائے۔ انگریزی حکومت میں جتنے نقصان ہیں آخر کو سب کا یہی ایک سبب جا کر ٹھہرتا ہے کہ حاکم و محکوم میں اختلاط نہیں اور ایک دوسرے سے اچھی طرح واقف نہیں۔ میں نے اس پیرائے میں گورنمنٹ کی خیر خواہی کا بیڑا اُٹھایا ہے کہ حاکم و محکوم کہیں سے اجنبیت کو دور کر دوں۔“(۲۰)

ڈپٹی نذیر احمد ابن الوقت کے کردار کو اپنا بنا کر پیش کرتے ہیں کہ وہ اندر سے انگریز کی خوشنودی چاہتے ہوئے اپنی لوگوں کو انگریزی تہذیب کی طرف نا صرف مائل کرتے ہیں بلکہ خاص طور پر مسلمانوں اور برصغیر کی دوسری اقوام کو انگریزوں کا غلام کرنے کی بھی کوشش کرتے ہیں۔ آیا کہ انگریز یہاں کے لوگوں پر طاقت میں ہوتے ہوئے بھی طاقت کا استعمال نہیں کیا۔ اس کی وجہ صرف اور صرف یہی تھی کہ وہ طاقت کے بجائے تہذیبی مار ہی مار رہے تھے۔ جبکہ نذیر احمد دہلوی اس تہذیبی کشمکش کو قریب سے محسوس کرتے ہیں اور ان کو اپنے ناولوں کا موضوع بنا کر مسلمانوں کی اصلاح کا بیڑا اُٹھاتے ہیں اور اپنے کرداروں کے ذریعہ سے مسلمانوں کی نہ صرف مشرقی بلکہ اسلامی تہذیب کو اجاگر کر

ISSN Online : 2709-4030
ISSN Print : 2709-4022
Vol.8 No.1 2024

کے اس کے مقابلہ میں مغربی تہذیب کو بھی پیش کرتے ہیں تاکہ لوگوں کو ان دونوں تہذیبوں میں فرق واضح ہو سکے۔ڈاکٹر افضال بٹ نذیر احمد دہلوی کی ناول نگاری کو بیان کرتے ہوئے ان کے تہذیبی و سماجی رخ کو یوں بیان کرتے ہیں:

> ''وہ مسلمانوں کی اخلاصی، سماجی اور مذہبی اصلاح چاہتے ہیں۔انہوں نے ناول کے کینوس کو مسلمانوں کی گھریلو اور اجتماعی زندگی تک محدود کر دیا ہے۔''(۲۱)

ڈپٹی نذیر احمد خوب جانتے تھے کہ کسی بھی قوم کو ترقی دینے کے لیے ادب کا سہارا لیا جاتا ہے۔ لہٰذا انھوں نے انگریزوں کے اس تہذیبی حملے کا جواب لٹریچر کے ذریعے جس میں نذیر احمد نے ناول کو معاشرے کی اصلاح کے طور پر استعمال کیا۔اس لیے ان کے تمام ناول مسلم تہذیب کے بنیاد پر لکھے گئے۔انہوں نے اپنے ناولوں سے معاشرے میں تہذیبی تصادم کو اجاگر کیا جس سے مغربی تہذیب کی ظاہری چمک دمک کو دیکھ کر ہندوستانی نوجوان متاثر ہو کر اپنے مذہب کو ترک کر رہے تھے۔اس کو بے نقاب کیا۔جب تک مسلمان اپنے آباؤ اجداد کی تہذیب و ثقافت سے جڑے رہے۔وہ ترقی کی منازل طے کرتے رہے جیسے ہی انہوں نے جدید تعلیم کے نام پر اپنی روایات کو ترک کر کے انگریزی روایات کو اختیار کیا۔مسلم تہذیب زوال کا شکار ہو گئی۔انگریز تو جدید ریفارمز پر پہلے ہی مسلمانوں سے ان کی تہذیب و ہنر چھیننے کے در پے تھے۔

جب ہم آج کے دور میں تہذیب کا مطالعہ کرتے ہیں تو ہم یہ سوچتے ہیں کہ تہذیبی تصادم میں کہیں بھی کوئی فرق نہیں ہے۔ہر چیز اور ہر کام اپنے اپنے لحاظ سے درست سمت میں سفر کر رہا ہے۔ہماری تہذیب اور رسم و رواج میں کہیں بھی کوئی دوسری تہذیب نہیں ہے۔حالانکہ حقیقت اس کے برعکس ہے کیونکہ آج سو سال گزر جانے کے بعد ہم دوسری تہذیبی اقدار میں اتنا رچ بس گئے ہیں کہ ہمیں کوئی معلوم ہی نہیں ہوتا۔مولوی نذیر احمد دہلوی نے اس دور میں اس فرق کو خوب بیان کیا ہے اور اپنے ناول ابن الوقت میں مسلم و مغرب کی تہذیبوں کو جس طرح پیش کیا ہے۔وہ آج کے دور کے لیے بھی نہایت مددگار ہے۔کیونکہ ان کے ہاں مسلم، ہندو اور مغربی تہذیب کا تال میل ہے۔ جیسا کہ وہ لکھتے ہیں:

> ''اگر کوئی ہندوستانی ہمارے جیسے کپڑے پہنے تو ہم سمجھتے ہیں کہ ہماری نقل کرتا ہے۔یا ہم کو چھیڑتا ہے اور چڑاتا۔کوئی ہندوستانی ہمارے لباس کو جس میں اُس کو کس طرح کی آسائش نہیں۔بے وجہ اختیار کرے گا اور سوائے بس کہ اُس کے دل میں ہمارے ساتھ برابری کا داعیہ ہو اور کیا وجہ ہو سکتی ہے۔''(۲۲)

اس ناول میں نذیر احمد نے جدید تعلیم حاصل کرنے پر زور دیا ہے مگر اپنی تہذیب کا دامن کسی قیمت پر نہ چھوڑا جائے۔یعنی وہ جدید تعلیم کے ساتھ ساتھ تہذیبی اقدار کے فروغ پر بھی زور دیتے ہیں۔کیونکہ انہوں نے محسوس کیا تھا کہ برطانوی سلطنت میں دو خیالات کے حامل لوگ ہیں ایک طبقہ اس بات پر کاربند ہے کہ برصغیر کے لوگوں کو ذہنی غلام بنایا جائے۔وہ اپنی تہذیب و ثقافت کو بھلا کر انگریزی طرزِ معاشرت اختیار کر لیں۔جبکہ دوسرا طبقہ اس بات پر قائم ہے کہ برصغیر کے لوگوں کو ان کی اصلی وضع قطع پر رکھا جائے۔ان کو جدید مغربی علوم اور ترقی کی منازل سے واقف نہ کروایا جائے۔کیونکہ وہ جدید تعلیم حاصل کرنے بعد ہم سے آزادی مانگیں گے۔اس لیے جب مسٹر نوبل اپنے وطن لندن واپس روانہ ہو جاتا ہے تو اس کا منظور نظر ہندوستانی کردار ابن الوقت مشکلات سے دوچار ہو جاتا ہے۔کیونکہ مسٹر شارپ اس کی ظاہری وضع قطع سے چڑنے لگتا ہے اور چاہتا ہے کہ وہ اپنی انگریزی طرزِ معاشرت اور رہائش ترک کر کے مقامی لوگوں میں رہے۔اسی وجہ سے مسٹر شارپ ابن الوقت کے لیے زندگی کو مشکل بنا دیتا ہے۔اس صورتِ حال کے تناظر میں حجۃ الاسلام جو کہ مشرقی تہذیب کا علمبردار ہے اس نے اپنی اقدار کی پاسداری کے ساتھ ساتھ جدید تعلیم بھی حاصل کی۔حجۃ الاسلام دراصل ڈپٹی نذیر احمد کا تمثیلی کردار ہے جو کہ مشرقی تہذیب کا پیروکار ہے جبکہ ابن الوقت مغربی تہذیب کی اندھی تقلید کرتا ہے اور اس کی وجہ سے ذہنی تذبذب کا شکار ہے اور اس کی زندگی مشکل ہو جاتی ہے۔

ڈپٹی نذیر احمد ابن الوقت اور حجۃ الاسلام جیسے کرداروں کے ذریعے قاری کو اس بات پر قائل کرتے ہیں کہ انگریز مقامی لوگوں کو اپنے برابر لانا پسند نہیں کرتے اور نہ ہی برصغیر کے لوگ اپنی مشرقی روایات کے بغیر زیادہ دیر تک پُرسکون رہ سکتے ہیں۔اس مشرقی و مغربی تہذیب کے کشمکش سے باہر نکلنے کا جو حل ڈپٹی نذیر احمد پیش کرتے ہیں وہ یہی ہے کہ ہندوستانی باشندے اپنی مشرقی تہذیب و ثقافت کے اندر رہ کر جدید مغربی علوم حاصل کریں۔وہ ترقی کی منازل طے کریں مگر اپنی اصول سے دور نہ جائیں۔جتنا وہ اپنی بنیادی

تعلیمات سے دور جائیں گے۔ اتنے ہی زندگی میں ان کے لیے مسائل پیدا ہوں گے۔ نذیر احمد اس بات کے قائل ہیں کہ برصغیر کے لوگ سیاسی اطاعت تو قبول کریں لیکن تہذیب وثقافت کے لحاظ سے اپنا مشرقی تشخص بھی قائم رکھیں۔ کیونکہ غیر قوم کی تہذیب اختیار کرنے اور اپنی اقدار چھوڑ کر کوئی بھی قوم معاشرے میں باوقار مقام حاصل نہیں کر سکتی۔

حوالہ جات

1. ایم عظیم اللہ، ڈاکٹر، اُردو ناول پر انگریزی ناول کے اثرات، دہلی: تخلیق کار پبلشرز، ۲۰۱۲ء، ص ۶۹
2. آنسہ احمد سعید، ڈاکٹر، کرشن چندر کے ناول تحقیقی و تنقیدی مطالعہ، فیصل آباد: مثال پبلشرز، ۲۰۱۳ء، ص ۱۶
3. ایضاً
4. ڈپٹی نذیر احمد، مراۃ العروس، لاہور: علم و عرفان پبلشرز، ۲۰۰۹ء، ص ۳۶
5. ایضاً، ص ۳۸
6. مسیح الزماں، ڈاکٹر، معیار و میزان، الٰہ آباد: لیتھو گرافکس اینڈ پرنٹرس، ۱۹۶۸ء
7. ڈپٹی نذیر احمد، مراۃ العرس، ص ۴۰
8. زینت بشیر، ڈاکٹر، نذیر احمد کے ناولوں میں نسوانی کردار، حیدر آباد: اعجاز پرنٹنگ پریس، ۱۹۹۱ء، ص ۴۳
9. ماہنامہ شیرازہ، جلد ۱۳، شمارہ ۱۱۔۱۲، سری نگر: جموں اینڈ کشمیر اکیڈمی آف آرٹ کلچر اینڈ لینگو یجز
10. ڈپٹی نذیر احمد، توبۃ النصوح، لاہور: عبداللہ اکیڈمی، ص ۵۵۔۵۶
11. ایضاً، ص ۵۹
12. قمر رئیس، ڈاکٹر، پریم چند کا تنقیدی مطالعہ، ص ۱۴۴
13. ڈپٹی نذیر احمد، توبۃ النصوح، ص ۷۵
14. ممتاز احمد خان، ڈاکٹر، اُردو ناول کے ہمہ گیر سروکار، لاہور: فکشن ہاؤس، ۲۰۱۲ء، ص ۷۷
15. ڈپٹی نذیر احمد، توبۃ النصوح، ص ۱۸۳
16. آنسہ احمد سعید، ڈاکٹر، کرشن چندر کے ناول تحقیقی و تنقیدی مطالعہ، ص ۱۷
17. زینت بشیر، ڈاکٹر، نذیر احمد کے ناولوں میں نسوانی کردار، ص ۱۷۶
18. فاروق عثمان، ڈاکٹر، اُردو ناول میں مسلم ثقافت، ملتان: بیکن بکس، ۲۰۰۲ء، ص ۱۹۶
19. ڈپٹی نذیر احمد، ابن الوقت، لکھنؤ: اترپردیش اُردو اکادمی، ۱۹۸۳ء، ص ۹۰
20. ایضاً، ص ۹۷
21. محمد افضال بٹ، ڈاکٹر، اُردو ناول میں سماجی شعور، اسلام آباد: پورب اکادمی، ۲۰۰۹ء، ص
22. ایضاً، ص ۴۴